

اور ڈاکٹروں کا فقرہ ہے اپنی ضرورت خدا نخواستہ کہہ کے کہتو ہیں، یعنی جب تک کوئی بیمار نہ ہو ہماری کیا حاجت ہو سکتی ہے۔ اگرچہ عزیز داری ہتھی مگر دن کے اعتبار سے یہ فقرہ بے محل نہ تھا۔

خورشید مرزا۔ جیساں ایک دوست (ایک مسماۃ) کا طبعی معائنة چاہتا ہوں۔

جعفر علی۔ معائنة کیسا، میں حاضر ہوں، آپ خوب جانتے ہیں، جہاں تک میری استعداد ہے اُس سے حاضر ہوں، کیا میری ضرورت سے زیادہ ہے۔

خورشید مرزا۔ یہ تو مجھہ کو تم سے ہر وقت امید ہے۔ مگر نہیں مرعن سخت ہے۔ حکیم صاحب بلکہ سول سرجن دونوں کو بلا کے دکھانا منظور ہے۔ اور کس کا معائنة ہے تھا رہی تو غالباً اسی ہونی ہیں خورشید بیگم مگر کسی سے اس کا اظہار نہ ہو انہوں نے قسم دیدی ہے۔

حکیم جعفر علی۔ بہت خوب، حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب کا آنا بھی ممکن ہے بلکہ سہل ہے۔ سول سرجن صاحب سے بھی مجھہ سے ملاقات ہو چکی ہے وہ بھی آسکتے ہیں اور۔ حکیم صاحب سے تو صرف اطلاع کافی ہے، کب کا عدد لیا جائے؟۔

خورشید مرزا۔ کل جس وقت مناسب ہو۔

حکیم صاحب۔ دونوں کل صحیح دس بجے آسکتے ہیں کہاں؟ آپ کے گھر پر۔ خورشید مرزا۔ نہیں یہاں سے تربیب نئے گاؤں میں فیضو کا مکان مشہور ہے۔ تھہراہی کے نکڑ پر وہاں تلاش کر لینا میں آدمی بھی دوں گا۔

حکیم جعفر علی۔ شاید زیادہ یہ مناسب ہو کہ پہلے مجھ کو دکھایجے یعنی تو بچے دعے آج رہی لے لئے جائیں گے۔ میں آپ کے ساتھ وہی کھڑا رہوں گا اس میں مصلحت یہ ہے کہ سول سرجن صاحب اور حکیم صاحب سے حال کے بیان کرنے میں

سہولت ہو گی۔ میں اگر پہلے سے دیکھ لون گا تو اچھی طرح سمجھا دوں گا۔

خورشید مرزا۔ واقعی یہ زیادہ مناسب ہو گا۔ اچھا تو میں کل ۸ بجے سوانحی بھجوں گا، بلکہ ہم تم ساہنہ سا نہ چلے آئیں گے مگر تم کو اسی وقت دونوں جگہ جانا ہو گا۔ سکارٹی کرو۔ پہلے سوں سرجن صاحب سے مل لینا پھر حکیم صاحب ہے۔

دوسرے دن سارٹھے ۸ بجے حکیم جعفر علی خورشید مرزا کے ساتھ فیفتو کے مکان پر پہنچ گئے۔ حکیم جعفر علی مریفہ کی مسہری کے پاس ایک کرسی پر بیٹھے، دو کرسیاں خالی ہیں۔ خورشید مرزا اپنے کے اندر ہیں۔ حکیم جعفر علی کے لئے توضیہ درست نہ ہتھی مگر او دو طبیبوں کے خیال سے پرداڑ گیا تھا۔ اختری ماں کے سرملے نے خورشید مرزا پائنسی کی طرف۔ حکیم جعفر علی صاحب نے تبص اور قارورہ دیکھا۔ ابتدا سے انہیاں کا حال شنا، دل میں کوئی رائے بھی قائم کر لی ہو گی۔ مگر انہیاں کا دل تو مناسب ہی نہ تھا اور اس نے اور بھی کہابھی دو کامل ہم پیشہ معززوں کا انتظار تھا۔ سارٹھے نوبجے کے قریب بڑے حکیم صاحب کی فنس آگئی۔ اب صرف سوں سرجن صاحب کا انتظار ہے، بڑے عکیم صاحب نے بھی تبص اور قارورہ دیکھا۔ چھوٹے حکیم صاحب نے طبی مذاق اور اصطلاحات کے موافق حال بیان کیا۔ جس کو خورشید مرزا سننے جاتے ہتھے۔ سب سے اختری کی توجہ دونوں حکیموں کے لفظ بہ لفظ بلکہ لب والہجہ ادائے مطلب کے طرز پر بھی کان لگھے ہوئے ہتھے۔ اقل توانا نہ ہتھی دوسرے مدت سے علاج ہو رہا تھا۔ اس مرض کے متعلق کوئی بات ایسی نہ تھی جس کوہ نہ جانتی ہو، دونوں طبیبوں کی تشخیص کا خلاصہ دلنشیں ہو چکا تھا۔ ٹھیک دش بچے سوں سرجن صاحب تشریف لائے۔ مختصر حال سُننے کے بعد آنے لگا کے بڑی دیر تک معافی کیا۔ اس کے بعد تینوں معالج ایک اور مگرہ میں جو پہلے سے باہمی مشورہ کے بعد درست رکھا گیا تھا جا کے بیٹھے، ہر سہ پہلو پر مباحثہ ہوا۔ دونوں حکیم اگرچہ قدیم یونانی طریقہ کے طبیب ہتھے مگر جدید اصطلاحات

بلکہ طرزِ علاج سے مادا قفت نہ تھے۔ جب مباحثة ختم ہوا، خورشید مرزا صاحب بُلا کے گئے۔ بحث کے نتیجہ سے نہایت احتیاط اور کسی قدر ابہام کے ساتھ لواب صاحب کو اطلاع دی گئی۔ یہ رائے قرار پائی کہ مرض کے چہلک ہونے میں کسی کوشش ہو گئی تھی اسکے پچھے زیادہ تردود کا محل نہیں ہے۔ چرداں ہوا جو خلاف موسم حل رہی ہے، سخت مضر ہے۔ پہلے رائے ہوئی کہ کشمیر لے جانا چاہئے۔ مگر دور دراز کے سفر اور مرفیٰ کی نازک حالت اور انتہائی صنف کی وجہ سے منصوری پراتفاق رائے ہو گیا۔ نبینی تال کا ذکر آیا تھا مگر بڑے حکیم صاحب نے اس مقام کو زیادہ مرطوب قرار دیا۔ یہ بھی تجویز ہوا کہ بالفعل یہاں سے جاس کے ہفتہ دو ہفتہ دیرہ دون بیس ٹھہرنا چاہئے پھر چند روز راج پورہ میں قیام رہے۔ پھر لفٹ چڑھائی پر قیام کی جائے۔ پھر منصوری پر یہ احتیاطیں دونوں حکیموں نے تجویز کی تھیں۔ یور و پین ڈاکٹر نے اس پر زیادہ توجہ نہیں کی۔

بڑے حکیم صاحب اور ڈاکٹر صاحب کو دوسری فیس دے کے رخصت کیا۔ حکیم جعفر علی کو خالہ نے ایک اشرفی دی یہ نہ لیتے تھے مگر رشتہ میں چھوٹے تھے آخر لینا پڑی۔ دفعتہ گرمی زیادہ بڑے لگی تھی۔ ان احتیاطوں پر عمل کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں خیال کی گئی۔ ہوا آیہ کہ خورشید مرزا پہلے کلکتہ گئے اور ایک اٹری کے ذریعہ سے سند ولایت کی درخواست دے کے تین دن میں واپس آگئے۔ اس کے بعد دو ماہ میں، دوسرا ہی، دو خدمتگار ایک باورچی، حکیم جعفر علی، خورشید مرزا ڈیرہ دون روانہ ہوئے۔ ایک دن یہاں یوسف خاں کے ہوٹل میں قیام رہا پھر راج پورہ میں ایک محضہ مکان مل گیا۔

پہاڑ پر ابھی سردی زیادہ تھی اور ہر روزہ بارش ہو رہی تھی۔ یہ موسم مریضہ کے لئے قابل برداشت نہ تھا۔ اس لئے چند دن یہاں ٹھہرنا مناسب معلوم

ہوا۔ خورشید ہر زا خود ایک خدمت گار کو ساخت لے کے منصوری پر گئے، یہاں متصل لندھور بازار ایک اسلامی ہوٹل میں دو دفعہ کمرے دونوں ماں بیٹیوں کے لئے، خدمت گاروں کے رہنے کو مکان باورچی خانہ یہ سب پورے موسم کے لئے کرایہ پر لے کے راج پورہ میں آئے پھر ضرورت خورشید مرزا کے ٹھہر کی نہ تھی، مریضہ سے (آخری) رخصت لے کے لکھنؤ پلے آئے۔ جعفر علی ایک ہفتہ ٹھہر کے پلے آئے پھر دو تین روز بعد گئے۔ اسی طرح وقت انتقال تک برابر تھے جاتے رہے۔ دس بارہ دن راجپورہ میں قیام کر کے یہ لوگ منصوری پر چلے گئے۔ راستہ میں جہیان کی سواری تھی مگر پھاڑ کے جڑ ہاد اوتار سے سب کو خصوصاً مریضہ کو سخت تکلیف ہوئی، لیکن پھاڑ کے مناظر سے بہت دل بہلا تا رہا، ہر طرف بزرہ ہی بزرہ تھا۔ اوپنے اوپنے صنوبر شمشاد، سفیدار کے درختوں کی سر سبزی سدنے والی ٹھنڈی ہوا اظر طرح طرح کے خود روگل بوئے ٹھشمے آہناریہ سب ایسے منظر تھے جس سے دل کو فرحت اور طبیعت کو شکستگی نہ ہو۔ مگر خورشید بیکم کو ہولناک مرض نے اور اخیرتی کو چاہئے والی ماں کی علاالت نے ان مناظر قدرت سے دل بہلا لئے کی فرستہ دی۔ پھر بھی بہ نسبت شہر کے راج کسی قدر بہال رہا۔ دس بارہ دن کے بعد طبیعت کسی قدر رو بحث معلوم ہوئی، یہ حالت چند روزہ ہی رہی پھر جس حالت پر مرض تھا اوسی حالت پر ٹھہر گیا، بارش موقوف ہو گئی تھی، پھاڑ کی بڑی اعتدال پر تھی، ایک مہینہ کچھہ دن اوپر سکون کی حالت قائم رہی، یہاں بھی نامی ڈاکٹروں کا علاج، بڑے حکیم صاحب کے بنوائے ہوئے جوارش اور عرق بھی ڈاکٹر کی اجازت سے وقتاً فوقتاً دئے جاتے تھے۔ عرق بید مشک بید سادہ اختلاج کے لئے بہت مفید ثابت ہوا تھا۔ علاج جو امکان بشری میں ہے اور جو روپیہ

کے صرف سے میرا سکتا ہے، سب ہوا۔ ایک ہفتہ کے لئے دہلی سے ایک نامی گم
صاحب تشریف لائے، ہر دوسرے سے ایک مشہور بید کو بھی سکل کے دکھایا۔ باآخر
ہو یہ پھر علاج بھی ہوا اگر۔ ع
مرض پڑنا گیا جس جون داکی



بائیں

ہکتے ہیں گور غریب اپنے گذر لئے نو لے + ہائے کیا چین سے سوتے ہیں مرنے والے
 آخر بتای رخ - صبح صادق کے بعد استقال ہو گیا۔ پہاڑ کی ایک گھاٹی میں
 چشمہ و سبزہ زار تھا۔ یہیں ایک چھوٹی سی قدیم مسجد بھی تھی۔ مالک زمین سے یہ قطعہ
 پہلے ہی خرید لیا گیا تھا۔ یہیں دفن ہوئیں۔ ایک سید صاحب جو یہاں مدت سے
 فقرانہ فروکش تھے ان کو پانچ روپیہ ماہوار پر قبر کی مجاہدی اور قرآن خوانی کا انتظام
 سپرد کر کے خود شید مرزا اخترتی کو مع ملازمین لکھنؤ میں لے آئے، ملازمین سے
 افشاء کے راز کا اندازہ تھا اور کوئی قدیم ملازم بھی نہ تھا اس لئے سب کا حساب کر دیا
 گیا۔ ایک ایک ہمینہ کی تخلوہ بنلوں انعام خوشنودی مزاج دے کے رخصت کر دیا۔

خورشید مرزا کے گھر میں اخترتی کا دخلہ

صرف ایک دن پہلے دونوں لاکیوں کو اس نئے مہمان کے آنے اور اسی گھر
 میں قیام کرنے کی اطلاع دی گئی، ایک مختصر کمرہ جوز نامہ مکان میں دیوان خلنے
 سے متصل تھا خالی کرایا گیا تھا۔ اس کا فرش درست کیا گی، سفیدی پتوادی گئی
 چھت میں پردے لگا کے ایک جھیوٹی سی سہری لگادی گئی، مختصر مگر خوبصورت
 اسباب ضروری مسند تکمیلہ فرش خاصدان اور گالدان، لمب شمعدان، سندگار میزین
 سامان یہ سب قرینے سے لگا دیا گی۔ کمرہ سادہ سادہ سامان سجھ دیا گی۔

دو نوں لڑکیاں مامائیں اصلیں یہ سب آپس میں سرگوشیاں کر رہے ہیں
یا الہی کون آئے والا ہے۔ اتنی خاطرداری بادا جان نے کسی کے لئے وہ نہیں کی، خدا
خیر کرے کوئی گل کھلا چاہتا ہے۔ وہ ہری جہاں سے آئی تھی وہی سفر کو سیھاتے
چلا جانا ہے۔ آبا جان کبھی باہر نہیں جاتے تھے، جب سے کئی مرتبہ سفر کو سیھاتے
خدا جانے کی اسرار ہے، ہمیں کیا معلوم مگر آثاراً چھتے نہیں ہے۔ سب سے زیادہ
جعفری کو تلا ملی ہے۔

جعفری۔ دیکھئے کیا ہو گا۔ دیکھئے یہ بی اختری بیگم کی گل کھلاتی ہیں زام
بتا دیا گیا (عزمداری بھی کہدی گئی تھی)۔

نادری۔ (جعفری کی یہ تلا ملی دیکھ کے) با جی مجھے معلوم نہیں ہوتا کہ تم استغصہ
کیوں گھبرائی ہوئی ہو۔ آخر ہو گا کیا۔ آبا جان کی کوئی عزیز تھیں ان کی اکلوتی لڑکی
ہتھے، بن ماں باپ کی، ماں آبا جان کے ہاتھ میں اس لڑکی کا ہاتھ دے گئی ہیں آبا جان
پرورش کریں گے۔ اختری کون ہے سہاری عزیز ہے۔ اختری کی ماں آبا جان کی
رشته کی بہن تھیں۔ اختری ہماری بہن ہوئی۔ چلو ہم تم دو بہن تھیں ایک اور
بہن آئی تھے۔ جستہم ماخوش دل ما شاد۔

جعفری۔ (جھٹک کے، بھی دگو یادو سال کا ٹراپا آپ بڑی بوڑھی ہیں
اور چھوٹی بہن بچتے ہے)، تو جانے جتنے عزیز ہیں کیا میں ان کو نہیں جانتی، یہ کون سی
نئی عزیز پیدا ہوئی ہیں۔ اچھا آئی تھیں تو آتیں یہ آبا جان کی بو کھلاہٹ سے
طرح طرح کے شے ہوتے ہیں، ایک ذرا سی لڑکی کے لئے یہ انتظام یہ سامان
آج تک حالاتیں بھی آئیں پھوپھیاں بھی، اے لوچاروں کا ذکر ہے خدا بخش نامی اہل
سال میں دو ایک دفعہ آتیں کسی کے لئے یہ اہتمام یہ سامان نہیں ہوئے۔ کمرہ خالی
کرو داس میں جھاڑ دلوادو، سفیدی پھر وادی گئی، دریاں چاندنیاں بکلوائی گئیں،

خاصدان او گا لدان، تسلی تو ٹے پر نبی قلمی ہو می یا اللہ! اختری ایسی کہاں سے زنگھا کے آئیں گی اور ساری حکومت مجھ پر جیسے میں اختری کی لوڈی ہوں، ناصاپ مجھ سے کسی کی ما مگری نہیں ہو گی۔ میں باز آئی۔

نادری۔ با جی خدا سے ڈرو، آبا جان نے تم کو گھر کا مالک سمجھہ کے سب کاموں کو کہا اور کسی سے نہ کہتے۔ اس کا شکریہ ادا کرنے سے گئیں۔ اُلٹے آبا جان کو الزام دیتے لگیں۔ داہ!

جعفری۔ بڑی آبا جان کی طرفداری، میں نے سود فغہ کہا تم میرے بچے میں نہ بولا کر دیکھہ تو سمجھتی ہوں جو اتنی پریشان ہوں۔ میرے ایسی گھر کی مالک بننے سے باز آئی۔ بیوی تم کو اختری کی مامان کے رہنا نفیب ہو۔ مجھ سے یہ دھندا نہ ہو گا۔

نادری۔ اختری بن ماں باپ کی لڑکی ہے ہمارے گھر میں ہمہ ان آتی ہو ہمکو خاطرداری کرنا لازم ہے اس میں ما مگری کو نہیں ہو گئی۔

جعفری۔ بڑی نیک خدا ترس لے بی بی بیٹھو دہ با تین کرو جو تمہارے سین پر زیب دیتی ہوں، میں سو بات کی ایک بات کہدوں مجھ سے آبا جان کی تابع داری ہو سکے گی، اب چاہو کہ ایرے غیرے آئے گئے کی بھی جو تیاں سیدھی کروں یہ نہ ہو گا۔ یہ تم کرنا۔ خیرا بھی تو دیکھتا ہے کہ بی اختری ہیں کس منش کی۔

نادری۔ ہاں تم نے یہ ایک بات کہی۔ پھر ابھی سے کیوں تبلما فی جائی ہو۔

دیکھو تو اور جو وہ تم سے بھی بڑھ کے سگر ٹھوڑا اور تم کو خود بیوی بنائے کے طاق پر بُھادے اور خود گھر کا کام اپنے سر بر آ لھائے۔

جعفری۔ اها! یہی تو میں سوچتی ہوں۔ گھر بھر سے مجھے کام نہیں، اگر آبا جان کے کام کو کسی نے ملا کا لگایا تو مجھ سے بُرا کوئی نہ ہو گا۔ بھلا یہ کب مجھ سے دیکھا جائے گا کہ وہ آبا جان کو پان بنا بنا کے دیں یا خاصدان میں گلوریاں رکھ کے

باہر بھجوائیں، اُسی وقت تو میں ہتھ سے اکھڑ جاؤں گی۔

نادری۔ نہیں صاحب آباجان کے کام کو وہ کیوں ہاتھ لگانے لگی، بیچاری غیر تمہارے ہوتے کیوں دخل دیئے لگی۔

جعفری۔ اچھا دیکھنا۔ آباجان کی بوکھلاہٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ بی اختری ہیں کوئی پھر۔

آخری کی سواری آئی ہے

گلابی چارٹے کے دن، اب ساری ہے چاربجھے ہیں، دھوپ انگنانی سے بالکل چل گئی، اب کوٹھوں پر ہے، برسات جا چکی ہے۔ اب کوئی نکھت پانی برسنے کا باقی نہیں ہے۔ رضائیاں بھرنے کا سامان ہے روئی دھنکی جانی ہے بتیرے پہر کا کوٹھوں پر پیٹھنا گیا کیونکہ سر شام سے سردی متروع ہو جاتی ہے۔ مہر ماں ملند انگنا میوں اور کوٹھوں سے اندر کے والائیں اور کمروں میں جا چکی ہیں۔ حلواسو ہن والی آواز کالوں میں آئے۔ لگی، منش بکھنے لگی، آم بازار میں کہیں کہیں ہیں مگر بہت گراں اور کھانے میں بے مزہ ہاں شریفہ کثرت سے نکل پڑے ہیں۔ ابھی مسٹر کی پھلیاں ہیں تکلیں، سنگھارٹے آگئے۔

آخری کی سواری زنانی ڈیورھی میں لگائی گئی، کہاں دل کی آداں مُن کے خود خورشید مرزا دیوان خانہ سے جاید جلد قدم اٹھا کے زنانی ڈیورھی پر گئے۔ لڑکیوں کو آزادی، لڑکیوں چلو! نادری خوش ہے۔ جعفری کی تیوری پر بل اگیا ہے۔ آخری اُتری پہلے ہی خورشید مرزا سے چار آنکھیں ہوئیں پھر نادری دیور کے گلے سے چھٹ گئی۔ نادری مل چکی تو جعفری نے بھی ہاتھ بڑھا کے گلے ملنے کی رسم شرما شرمی ادا کر دی۔

خوشید مرزا دنوں بیٹیوں سے اچھی طرح واقف تھے، نادری کی ملنی کی
بے بہت خوش ہوئے۔ پیار کی نظر دنوں سے دیکھا، جعفری کے اکل کھڑے پن سے
نا خوش ہو کے ذرا گھور کے ملال ظاہر کیا۔ جعفری کے اور بھی مرچیں سی لگ گئیں
سب سے زیادہ یہ خیال تھا کہ نئی آنے والی نے میری بے رُخی اور باپ کی آزادی
کو نہ دیکھا ہے لیا ہے۔ بلکہ یقین تھا کہ اختری نے کہی آتے باپ کی پھری ہوئی نظر
میری طرف سے دیکھا ہے لیں، اسے لو! اس وقت اختری کی نظر میں حیرت ہو گئی۔
اختری کے رو برو اب ابا جان کا مجھ سے نگاہ بدلنا پڑا ہوا۔ مجھے تو اس پر غصہ آہا
تھا کہ آبا جان اس ٹانگ برا بر کی لونڈیا کو سواری سے اتارنے دوڑتے گئے اور
پھر سمجھ پر یہ حکومت، لڑکبوں چلو! جیسے بیگم صاحب کی سواری آئی ہے، لونڈیاں
اٹکنے جائیں۔ میں تو پہلے ہی کہتی تھی کہ مجھ سے اور ان بیگم صاحب سے نہ بنے گی،
میری بات سچ ہوئی نہ۔ ان کے آتے ہی آئے آبا جان نے ان کو دکھا کے مجھ پر
کڑے ٹیکوڑا لے گویا یہ دکھایا کہ یہ تمہاری محکوم بن کے رہیں گی۔ آبا جان کی
تو میں لونڈی ہوں گا رچا ہے کہ دوسرے کے آگے اُس کی خاطر سے مجھے پر خفا
ہوں گھر کیاں دیں یہ نہ ہو گا۔

جعفری تو دل ہی دل میں کھول ہی تھی۔ اُدھر نادری اور اختری میں
خوب مل جل کے باتیں ہو رہی تھیں گویا مذوق کی جان پیچان ہے۔ اختری کی
ماں کو مرے ہم موئے ابھی تھوڑی ہی دن گزرے ہے اور ماں بھی کون ملی
کی عاشق زار۔ اختری کے مئندہ پرنسی کسی مسکراہٹ کا نام بھی نہ تھا۔ غم کی
قصہ رہنی ہوئی تھی، اس سکوت کو جاہل ماما اصلیوں نے اور جعفری نے بھی حماقت
سے تملکت سمجھا ہے۔ افسوس جس کے دل میں درد نہیں وہ کسی غم کی صورت کے پیچان
سلتا ہے، مگر پھر بھی اختری نے اپنے کو بہت سنہالا، نادری تھی تو بچہ مگر

نیکی اُس میں سرتاپا بھری ہوئی تھی۔ اُس نے کسی اشارہ کنایہ سے یہ تازہ سوگواری پاد نہیں دلائی، ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہی جس میں ماں کا ذکر نہ آئے پائے پڑھنے لکھنے کا ذکر چھپ دیا، اختری اچھی خاصی ٹپھی لکھی دست و قلم تھی، فارسی میں گلستان بوستان اور ایسی ہی کتابیں پڑھ پڑھ کی تھی۔ ٹکڑے میں لڑکیاں انگریزی بھی پڑھتی ہیں۔ اختری بھی کسی قدر انگریزی پڑھنے پوچھتے تھی یہ دونوں بہنیں بھروسہ ضرورت اردو پڑھ لکھ سکتی تھیں۔ نادری کو پڑھنے کا شوق تھا جب اُس کو اختری کی تابعیت کا حال معلوم ہوا نوراً اُس سے پڑھنے کا قصد طاہر کیا، اچھی بہن مجھکو پڑھا دوگی، اختری نے بڑی خوشی سے منظور کر لیا۔ سوزن کاری کے کاموں میں بھی اختری کو اچھی ہمارت تھی۔ اس کا بھی شوق نادری نے ظاہر کیا۔ غرہنک پہلے ہی دن کی دو گھنٹی کی بات چیت میں نادری اختری نے آئندہ مل جل کے رہنے کا پورا منصوبہ درست کر لیا۔ نادری ایسی بدتریز نہ تھی جو اپنی بڑی بہن کی بد مزا جی کو اختری سے بیان کرتی، مگر جعفری کے الگ تھلک رہنے سے اختری کو اس کے مزاج کا حال معلوم ہو گیا۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ گھر کا کارڈ بار جعفری کے ہی حوالے ہے۔ اختری سمجھہ گئی کہ روزمرہ کی ضرورت توں میں خواہ مخواہ رکاوٹ میں پیدا ہوئی مگر وہ ماں کے مرلنے کے بعد ہر دشواری کے مقابلہ کو آمادہ ہو گئی تھی۔ اُس کو معلوم تھا کہ وہ اس گھر میں جوان دو لڑکیوں کے باپ کا گھر ہے۔ ہمان ناخوند کی طرح آکے اُتری ہے۔ اُس کی معذرت کارانہ ماں کی وصیت کے لحاظ سے ضرور پوشیدہ رکھا جائے گا۔ یہ دونوں بہنیں مجھکو سمجھیں گی کہ ہمارے باپ کے ٹکڑوں پر آتے کے پڑی ہے، اس ذلت کو جو اُس کی دائمی صیانت اور مقدرت کے خلاف تھی اُسے ہر طرح برداشت کرنا ہو گا۔ پھر یہ گھر اُس کے لئے بالکل نیا تھا وہ اپنے گھر میں دس بارہ ملازموں (عورت مرد ملائے کے)، پر حکومت کرتی تھی، یہاں آئے

اُس نے دیکھا کہ نوکروں نے اُس کے آنے کی ذرا بھی پرواہیں کی۔ اُس کی نوکریں اس کو جھاک کے تین تسلیمیں کیا کرتی تھیں۔ اُٹھتے بیٹھتے بسم اللہ کہتی تھیں عظیم دیتی تھیں، یہاں دعا عظیم سب نذر دبلکہ یہاں نوکروں نے اُسے دیکھا بھی تو مرنے پھر کے اپنی راہ پلی گئیں۔ تسلیم کسی معمولی پرسش تک نہ کی۔ جعفری کا اکٹھرا پن اُس نے آتے ہی آتے دیکھہ لیا۔ خورشید مرزا کے تیور ہی دیکھے اگر کوئی بڑے دل کی ہوئی تو اُس کو اس انتقام سے لطف آتا اُس کے شاک دل نے نیکھا کہ صرف میری وجہ سے بے گناہ جعفری پر باپ کی خفگی ہوئی، اس خفگی کا بدبیں مجبنت ناشدی ہوں، وہ جعفری کی بے اعتنائی اپنے ساتھ ناداحب نہیں خیال کرتی تھی۔ اس کو معلوم ہو گیا تھا کہ خورشید مرزا ایک اوسط درجہ کی مقدرت کے رئیس ہیں، خاندانی حیثیت اور قدامت کے اعتبار سے نہ مقدرات کے اعتبار سے جعفری گھر کی منظم ہے وہ میری وجہ سے جو اخراجات بڑھیں گے اُن کو مدد زائد خیال کر کے گھر کا بلکہ اپنا نقصان سمجھتی ہو گی، یہ کوئی بجا خیال نہیں ہے اُس کا بھروسہ فقط خورشید مرزا ہر تھا۔ مگر یہ بھی وہ سمجھہ گئی تھی کہ لڑکیوں کے سلمنے باپ سے زیادہ اخلاص بڑھانے کی کوشش کرنا سخت بدنما ہو گا دُور دراز کارشہ سے ہی مگر پھر میں غیر ہوں، میں اگر خورشید مرزا (ماموں جان) کے پاس زیادہ گھٹی ہوں گی تو لڑکیاں ضرور بُرا مانتیں گی۔ وہ عشق و اُلفت کی گناہ مگرایوں سے بالکل باواقف تھی۔ اس لئے اُسے یہ گمان نہ تھا کہ ناجائز بدگمانیاں ہی پیدا ہو سکتی ہیں اور خوب ہوا کہ اُس کا خیال اس حد تک نہیں پہنچا جب سے ماں نے خورشید مرزا کے ہاتھ میں ہاتھ دیا تھا وہ اُن کو اپنا باپ ہی سمجھنے لگی تھی، مگر بدجنت مامیں اصلیلیں اور اُن کے بد صحبت کے اثر سے جعفری بھی اس بیوودہ اور سخت خلاف اخلاق سور طن سے باز نہ رہ سکیں اگر جعفری اس محمل خیال کونہ باں پر نہ لاسکی لیکن دل میں

یہ خیال نہ رکا کام کرتا رہا جس لے اُس کو اختری کی طرف سے صاف نہ ہونے دیا اور آخری سے بیشے پیدا ہوتے جو ناظرین کو رفتہ رفتہ معلوم ہوں گے۔

خاصہ کے وقت، آج دسترخوان ذرا تکلف سے سمجھا گیا تھا۔ اس نئی ہمایہ کے لئے تھوڑا پلاو اور میٹھے چاول بھی کپولے کئے تھے اور ستم یہ ہے کہ جعفری کو اُس کے لئے خرچ اور اہتمام کرنے کی تکلیف ہوئی تھی، دہی، ملائی، مرتبہ، اچار عرضکہ اچھی طرح سے ہمایہ کی خاطرداری کا خیال لیا گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ یہ سب خورشید مرزا کے حکم سے ہوا تھا، جعفری کو ہر جدید انتظام سے تازہ ملال ہوتا تھا۔ خصوصاً دسترخوان پر خورشید مرزا خود بھی موجود تھے۔ اور ہر طرح سے اختری کی دیجوئی اور خاطرداری کا خیال کیا جاتا تھا، ہر چیز اختری کے سامنے خود خورشید مرزا اپنے ماتھے سے اٹھا کے رکھتے جاتے تھے۔ کھانے پر اصرار ہو جاتا تھا، یہ خاطرداری جعفری کے لئے لشکر کا کام دے رہی تھی، یاد اجان کی خاص توجہ کا اسلوبی رنج تھا۔ نادری بہر حال خوش تھی خورشید مرزا جعفری کی حرکتیں دیکھتے تھے۔ کبھی ٹال جاتے تھے کبھی سب کی نظر پر کے چشم نما فیکر دیتے تھے۔ جعفری اور علبی تھی اور سلگتی تھی اور صند سے کام بگارنی تھی دوسرے دن لوزکروں چاکروں میں یہ لفظیں سُنی گئیں، پچ پچ باہ اجان کو کیا ہو گیا ہے، آثار اچھے ہیں ہیں۔ جد ہر جد ہر اختری جانی ہے باہ اجان کی نہ کیا۔ عالمی ہیں۔ جعفری تو دسترخوان سے فراغت پاتے ہی اپنی پیخنخی میں پینگ پر جا بیٹھیں اور لوزکروں چاکروں کے ساتھ ٹھہٹ لگانے لگیں مگر ناداری اختری کے ساتھ ہی ساتھ رہی اور جہاں تک اُس کی قابلیت تھی تازہ ہمایہ کے دل بہلانے کی کوشش کرنی تھی۔ اختری کا یہ حال تھا کہ لاکھہ فنبٹ کر لی تھی اپنے کو سنبھالتی تھی مگر آنکھ سے آنسو ٹکے ہی پڑتے تھے۔ نیا شہر، نیا مکان ماں کا مرنا آنکھوں کے سامنے چار دن کا واقعہ تھا۔ جعفری جسکو درحقیقت اس گھر کا مالک سمجھنا چاہئے اُسکی پہلے

ہی دن سے پہلے اعلیٰ نامی آخر پھر کا پیچہ نہ تھا آدمی بھی اور آدمی بھی ایسی جو اول ہی سے نازک مزاج تھی۔ ماں کے ہر لئے سے اور بھی طبیعت نازک ہو گئی تھی۔ آخر نادرتی نے کہا ہے تو تم بہت تھکی ہوئی ہو سویرے سے آرام کرو۔ اخترتی خود رونے کے لئے تہائی ڈھونڈھڑ رہی تھی، اس اشارہ کو پاتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔ نادرتی ضرور کرنے میک پہنچانے جاتی۔ مگر خود شید مرزا کو اندر آئے دیکھ کر ٹھک کیتی، نادرتی کے کمرے کے پاس اخترتی اور خورشید مرزا کا آمنا سامنا ہوا۔

خورشید مرزا کو کسی چیز کی ضرورت تو نہیں ہے۔ اب تو بیٹا ہمیں دیہاں ہے ہے مثمر نہ کرنا جو چیز چاہئے ہو فوراً کہہ دیتا۔

اخترتی۔ اس دیجئی سے متاثر ہو کے کچھ جواب دیا چاہتی تھی مگر آنسو گلوگایہ ہو گئے بے ساختہ رونے لگی بلکہ ایک یادو مرتبہ چینخ مار کے ردی، جس کو نادرتی حقیقت اور جعفری بنادٹ سمجھی، مامے سے کہتی ہیں دیکھنا کیا نہیں دکھانی ہے۔

خورشید مرزا۔ اخترتی، اخترتی، ہائیں بیٹا صیر کرو، کیا رورو کے جان دو گی، کیا کسی کے ماں باپ ہمیشہ نہ دہ رہتے، میں، ہاں سچ ہے کہ تم پر علم کا پھارڈ بٹ پڑا یہے مگر مشتبہ الہی سے کیا چارہ ہے یہ کہہ کے سچے سے لگایا بہت دیر سمجھایا۔ لشفی دلائے سے کے پعد کیا، اچھا یا اس سویرے آرام کرو۔ ہاں اور تمہارے کمرے میں کون سوتے گا۔ نادرتی کو پکار کے جاؤ آج رات کو ہم کے ساتھ سور ہوں گل سے کچھ اور بندوبست کیا جائے گا۔

باقہ

ہم صفیر ان جمپن سے کوئی اتنا کہدے + شبِ اول ہی یہ ہم تازہ گرفتاروں کی

اختری - جی نہیں ماموں جان، میں چھوٹے سے سن سے اکیلے کرے میں سونے کی عادی ہوں مجھے ڈر نہیں لگتا بلکہ کسی کے ساتھ مجھکو نیند نہیں آئی، میری آنا خدا بخشنے بہت چھوٹے سے ہیں میں میرے ساتھ سولی تھی آخر جب میں یحیین ہوتے لگی، پنگ کے نیچے پٹی کے پاس سونے لگی مگر یہ اُسوقت کا ذکر ہے جب میرا سن کوئی چار برس کا تھا۔ جب سے آنانے انتقال کیا میں اکیلی ہی سوتی ہوں۔

کم سون لڑکی کا اکیلے کرے میں تہنا سونا اس شہر کے قاعدہ کے خلاف تھا اس پر خوشید مرزا نے بہت اصرار کیا۔ اختری بالکل تہنا نی چاہتی تھی۔ آخر اسی کی رائے پر چھوڑ دیا۔

اختری پنے کرے میں جہاں اُسے ایک مدت عمر کی بسر کرنا تھا بھنی سہری پر پاؤں لڑکا کے بیٹھی باہمیں گال کے نیچے ہاتھ رکھ کے اپنی گذشتہ اور موجودہ بالکہ آئندہ حیات کے سلسلہ ملا لے لگی۔

اُسکو آج ہی سے یہ فکر پیدا ہوئی۔ کسی طرح جعفری کو ملانا چاہتے۔ جہاں ہنا ہے مل جعل کے رہنا چاہئے۔ اگر جعفری کی بے رُخی ایسی ہی رہی یا اور بڑھ گئی تو زندگی دو بھر ہو جائیگی۔ اچھا میں حتی المقدور کو شش کر دیں گی۔

عکیم جعفر نلی صاحب جن کا ذاد پر ہو چکا ہے، نہایت ہی وجہہ تھے بلکہ خوش
سمجھنے جلتے تھے گندمی رنگ میانہ قد مائل بدہ ازی چو گوشیہ ہوئی ان کے سرپر لالکھ
لاکھ بناؤ دیتی تھی۔ صورت سے شو قین مزاج معلوم ہوتے تھے مگر واقعہ صورت
کے خلاف تھا۔ محض طالب العلم تھے، فامرغ التحییل ہونے کے بعد طب کا اجراہ بھی
حاصل کر چکے تھے۔ کئی سال تک سکھائی میں رہ کے داکڑی کے اصول سے بھی
دافت ہو گئے تھے۔ عمل بالید (جراجی)، کی بھی کسی حد تک مشق کی تھی مگر اس کی
جرأت ہنس کرتے تھے، انہا کے محتاط اور خدا ترس تھے، اب این آباد میں مستقل
مطب شروع کیا تھا۔ کسی ہندوستانی رمیس تعلقدار کی سرکار سے ملازم مرتب تھا ملہ
بھی ہو گیا تھا۔ خورشید عزیز اصحاب علاوه دوستی کے پکھہ دُور کی فرابت بھی تھی جکا
ذکر ہو چکا ہے، حسناتفاق سے اختری کی ناہماں سے فریبی رشہ تھا۔ جب خورشید
بلکم پہاڑ پر گئی ہیں یہ ہمراہ گئے تھے، ان کی علات کے زمانہ میں اکثر آٹھ آٹھ دن
جا کے رہے معالجہ خصوصاً تیارداری میں ان سے بہت مدد ملتی تھی۔ اختری
سامنے ہوئی تھی۔ خورشید مرزا کے گھر میں لڑکیاں چھپتی تھیں مگر کچھہ ایسا گھر اپرداہ
تھا ہاں نادرتی بہت پھیلنے لگی تھی۔ اس لئے کہ اُس کے ساتھ نسبت کا خیال ہوا
تھا۔ عذیز داری کی وجہ سے آمدورفت میں کمی نہ ہوئی۔ ان کی صفات پسندیدہ کے
ساتھ جوان صالح متقدی پرہیزگار اس سین میں انہا کی احتیاط، خورشید مرزا کو ان
سے دلی محبت تھی۔ وہ نادرتی کو بڑا خوش نفیب سمجھنے لگے تھے۔ یونکی یہ تقریباً ان کے
حسب دل خواہ ہوا تھا۔ اور اس سے بہتر نہ ہو سکتا تھا۔ اختری ان کو بھائی صاحب
ہیتی تھی اور بے تکلفی سے ہمکلام ہوئی تھی۔ مختلف اور شرم بیجا جس کو جھیپ کہتے ہیں
ہاں ہوئی تبے جہاں پائی مرتا ہے جو دل صاف ہوں تو ان ڈھکو سلوں کی ضرورت
ہیں رہتی، ہاں کمیتہ ناپاک طبیعت کے لوگ تو عیب جوئی سے باز ہیں رہتے بلکہ بہت

اور بتان لگا دینے کو بائیں ہاتھ کا کھیل سمجھتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے دُور دُور رہنا
چاہئے مگر ان کی بیوہ دہ گوئی کی پروانہ کرنا چاہئے، یہ لوگ حسنِ معاشرت کی ترقی
کے دشمن ہیں اور ان کا بس جہاں تک چلے گا جہالت کے تیرہ دناریک غاروں سے
باہر نہ نکلنے دیں گے۔

حکیم سید جعفر علی صاحب جعفری بگم کے چھوٹے بہنوئی یعنی والے تھے اب
جو وہ اس گھر میں آئے اور ان کی توجہ بھی اختری بھی کی طرف زیادہ پائی تو یہ ان کو
اور بھی ناگوار رہوا۔ باپ کی وجہ سے رشک تو تھا اب دوسرا رشک کا سبب
پہنچا۔ غرض کے بیماری جعفری کے مقدمہ میں بے آگ سلگنا لکھا ہوا تھا۔

اختر کی انگلیٹ بہت نازک تھی، اس کی طبیعت نازک تھی۔ جتنا نازک تھا، مگر
ماں کا طولانی مرض جن کی تیارداری کا بار چھوٹے سے من میں اُسی کے سرمه پڑا تھا
امید و بھم کی حالت، مرض الموت کا متواتر عجیب عجیب صورت میں بدلتا اور ہر صورت میں
اُول سے زیادہ خوفناک کلکتہ سے لکھنؤ پھر لکھنؤ سے منصوری اور دہاں امیدوں
کا خاتمہ، مایوسی کا سامنا، رونا پہنیا، ماحم داری سو گواہی یہ سب ایسے صد منہٹھے
کہ اُس کی صحت پر پڑا اثر نہ ڈالتے۔ اُس کو بخار آلاتے لگا تھا۔ اور تپ لازمی ہوا
چاہتی تھی۔ مگر خوب شاید ہر زاخصو صاحب حکیم جعفری کی ہمدردانہ کوششوں نے خوفناک
نتیجوں سے بالآخر محفوظ رہا مگر لکھنؤ میں آنے کے بعد ہمیشہ دو ہمیشہ تک وہ علمیں ہی
اس درمیان میں حکیم صاحب کی آمد و رفت زیادہ بڑھ گئی تھی، وہ اختری کے راستے
بھی واقع تھے لیکن ان سے اخشار راز کا بالکل خوف نہ تھا۔

حکیم صاحب اور اختری کی دُور دُوریاں

حکیم صاحب کے آئے کی خبر سن کے پردہ ہو گیا تھا، جعفری حسب معمول اپنی بھنجی

میں نوکروں پر گھر کے روزانہ انتظام کے بارے میں احکام جاری کر رہی تھیں، نادری کوٹھے پر پلی گئی تھی، اختری اور حکیم صاحب قریب قریب تنہا ہیں۔ مامائیں پنے قرینے سے دُور دُور ہیں۔

حکیم صاحب۔ - معمولی مزانج یہ سی کی بخش وقار و رہ، ملاحظہ کیا شد میں خفیہ سی تبدیلی، پرمیزی کھلانے کے متعلق گفتگو ختم کر کے، ہمئی چھوٹے بیگم صاحب جعفری بیگم صاحب سے کسی بی۔

اختری۔ - (شکوہ شکایت سے لب آشنا نہ ہے اوس کو شکر گذاہی ہی آتی تھی۔ وہ دوسرے کا الزام اپنے سر لینے کو موجود رہتی تھی وہ ہمیشہ دوسرے کی غلطیاں معاف کرنے کے لئے آمادہ تھی، اچھی بنی وہ مزانج کی بھاہی بھر کم ہی بہت جلد کسی سے میں کر لینا، بے تکلف ہو جانا ان کی طبیعت میں ہنس ہے۔ ابھی تو بہت کھل کے ہنس میں لیکن جب میں گی تو اچھی طرح میں گی۔

حکیم صاحب۔ - (اس عورت کی بدینتی سے اچھی طرح واقع ہو چکے ہے، مجھے تو اس کی بہت کم امید ہے۔ بہر صورت کو شش کرنا چاہیے۔

اختری۔ - میں کوشش کر دیں گی اور اپنی قابلیت سے بڑھ کے کوشش کر دیں گی میں ان کے خوش کرنے میں کوئی دقتیہ اٹھانہ رکھوں گی آئندہ میری تقدیر۔

حکیم صاحب۔ - تمہاری تقدیر کو اس سے کیا سروکار وہ اپنا سر کھائیں گی۔ پھر آپ ہی آپسا انسوس ایسی فرشتہ خصلت لڑکی سے بھی اگر جعفری خوش نہ ہوں تو یہ ان کی بدسمتی ہے۔ سخت مشکل یہ ہے کہ اصلی واقعات نہ جعفری کو معلوم ہیں اور نہ ابھی ان پر ظاہر کرنا مصلحت ہے، اگرچہ میں ہمیشہ اس مصلحت کے خلاف اہل انسان کو اس رتبہ پر دکھانا چاہئے جو اس مرتبہ ہے، نہ کم نہ زیادہ، جس طرح کسی کے رتبہ سے اوس کو بالاتر ثابت کرنا بُرا ہے ادی طرح اصلی حیثیت سے

کم دکھانا بھی، دونوں طرح دھو کے ہوتے ہیں اور اکثر خلاف مزاج امور واقع ہذا کرتے ہیں جن سے سخت تکلیفیں ہوتی ہیں اور رنج پھوپھنتے ہیں۔ جعفری کی بدیابانی سے مجھہ کو ٹرا اندر لیتھے ہے، خورشید مرزا صادب کی رازداری مجھے پسند نہیں ہے۔

اختری۔ وہ کیا کریں یہ تو خدا بخشنے آماں جان کی وصیت ہے۔ ماں مولیٰ حبان خود حیران ہیں، جعفری بیگم پر وہ میری وجہ سے خفا ہوتے ہیں، مجھکو ولی صدیہ پہنچا ہے مگر میں مجبور ہوں۔ پھر میں کہتی ہوں کہ میں ان کے خوش رکھنے کی کوشش کروں گی۔

حکیم صاحب۔ ایں خیال است و محال است و جنوں۔

اختری۔ تو پھر آپ ہی فرمائیں کیا کیا جائے۔

حکیم صاحب۔ سو اے کو شنش کرنے کے کیا کہا جائے وہ تم خود کہہ رہی ہو۔

اختری۔ دیکھئے پھر دہی بات آئی نہ۔

حکیم صاحب۔ ہاں سچ ہے اور ہو رہی کیا سکتا ہے، اچھا خدا حافظ۔ مجھے ایک مرلیفہ کو دیکھنے جانا ہے۔

اختری۔ رئے اُھ کے تسلیم کی، خدا حافظ!

جعفری جب تک وہ بیٹھ رہتے تو پچکی کونے میں دُبکی بیٹھی رہی جب چلے گئے اور یہ معلوم بھی ہو گیا کہ گئے، کیا حکیم صاحب گئے۔ ماں میں نے کہا کبے گئے، آپ کو اب نہر ہوئی ہے، جی ہاں گلوبر مایں اسی طرح رکھی ہیں، ہاں صاحب اب ہم سے کیا کام، نئے نئے لوگوں سے میل ملا پڑھے گا۔ اب ہمیں کون پوچھتا ہے۔ ہاں میں کہیں تو نہ بھی نہ کہا کہ حکیم صادب جاتے ہیں، اے لوگوں سے مجھکو حرارت معلوم ہوئی تھے، سرہیں درد بھی ہے۔ میں نہض و کھانے کو تھی مجھے کسی نے خبر نہ کی اب اس گھر میں میرا رہنا فضول ہے۔

وہ سب باقی اسی طرح بلند آواز سے کہیں کہ اختری سب نہیں، سخت صدیہ

ہوا جواب دینے کا موقع نہ تھا۔ دل میں گھٹ گھٹ کے رہ گئی۔ علامت کا حال سن کے خیال ہوا کہ پچھے ہے وہاں فقط بہانہ تھا، صرف الزام رکھنا منظور تھا۔ اگر کہیں تو کہ حکیم صاحب کو پھر بلایا جو خصوصیت ظاہر ہو گی اس سے تاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ ہاں جب خورشید مرزا گھر میں آئے تو ان سے بیان کیا۔

اختری۔ باجی کی طبیعت ناساز ہے۔ حکیم صاحب آئے مگر مطب کو دیر ہوتی تھی پلے گے۔ کل ان کو بلوایا بھجوئے کیونکہ ان کے آنے کا ٹھیک ہنس ہے۔ روزانہ تو آئے ہنس شاید دو تین دن نہ آئیں غرائب خواستہ باجی کی علامت کو طول ہو جائے۔

خورشید مرزا اپنی صاحبزادی کو خوب جانتے تھے، کچھ جواب نہ دیا۔ یوری چڑھا کے منہ پھر لیا۔ جعفری خود اس موقعہ پر نہ تھیں۔ مگر گویندے لگے ہوئے تھے۔ ذرا دراسی بات پہنچاتے تھے۔ کل واقعہ ان کو معلوم ہو گیا۔ جب خورشید مرزا باہر چلے گئے۔ جعفری پھر بیکار لے لگی۔ صاحب میرے علاج معالجہ کی کوئی سفارش باواجان سے نہ کیا کرے۔ مجھے یہ چوچلے ہیں اچھے لگتے اور نہ مجھے یہ ڈھکو سلے پند ہیں روز سنتے بندھ رہے ہیں فضول پسیہ اٹھ رہا ہے۔ قدر چڑھائے جا رہے ہیں۔ ہم بیمار بھی ہوتے ہیں تو اے لوموئی دھیلے کی خطی دھیلے کا بفسٹہ منگا کے جوش کر کے ذرا سی مصری ڈال کے پی لیا چلو بھلے چنگے ہو گئے۔ ہم یہ نہ رکھا جائیں کہ روز قارہ درہ رکھا جاتا ہے۔ بسفیں دکھائی جاتی ہیں۔ ٹھنڈا ایساں کی گذایاں کی گذایاں صرف ہو ہی ہیں۔ موئی یا قوت زمرد جو اہرات سماق کے کھل میں خل ہو رہے ہیں۔ رہیں جھونپڑیوں میں خواب دیکھیں محلوں کے۔

دکھراش طعنوں کا حرف بحر نشتر بن بن کے اختری کے کلیجہ میں چھا مگر بچاری ہو کے سے گھوٹ پی کے چُپ ہو رہی۔ مشکل یہ تھی کہ خورشید مرزا اختری کی